Quarterly Research Journal “Al-Qudwah”, Volume 03, Issue 01, Jan-Mar 2025

AL-QUDWAH

ISSN(P): 2959-2062 / ISSN(E): 2959-2054

https://al-qudwah.com

استعمار کی فکری وتہذیبی مسائل کا حل، مالک بن نبیؒ کی فکر کے تناظر میں

Resolving the Intellectual and Cultural Issues of Colonialism in the Context of Malik Bennabi's Thought

ABSTRACT

Malek Bennabi is considered one of the great thinkers of Islamic civilization. He was born in Algeria in 1905. From his early education to higher education and then entering the practical field, his homeland was under colonial rule. During this time, he studied contemporary civilizations. In his study of contemporary civilizations, the effects of colonialism were evident. In light of this, Malek Bennabi viewed the cultural decline of Muslims. According to him, neither merely adhering to tradition nor imitating the West can solve the problem for Muslims. Malik Bennabi presented the theory of "colonizability," (القابلية للاستعمار) according to which being "colonizable" is a condition found in a nation that foreign nations merely 'discovered' rather than 'created.' Similarly, being "non-colonizable" is also a condition that does not come into existence unless it is created. In other words, unless you invite colonialism, it does not come to you on its own. Therefore, considering the occupation by colonial powers as the cause of the Muslim Ummah's decline cannot absolve us of responsibility. The current study presents an analysis of "Resolving the Intellectual and Cultural Issues of Colonialism in the Context of Malek Bennabi's Thought."

Keywords: *Colonialism, Contemporary, Thought, Civilization, Issues, Malek Bennabi.*

AUTHORS

Dr. Samiul Haq*
Alumni, Department of Islamic Thought and Civilization University of Management and Technology, Lahore: *samiulhaqs@gmail.com*

Faiz Ullah**
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science and Information Technology, Peshawar Hayat Abad: *faizullah52733@gmail.com*

Dr. Inayat ur Rahman****
Alumni, Department of Islamic Thought and Civilization University of Management and Technology, Lahore: *inayatbary@gmail.com*

Date of Submission: 15-12-2024
Acceptance: 05-01-2025
Publishing: 15-01-2025

Web: https://al-qudwah.com/
OJS: https://al-qudwah.com/index.php/aqrj/user/register
e-mail: editor@al-qudwah.com

Correspondence Author:
Dr. Inayat ur Rahman*** *Alumni, Department of Islamic Thought and Civilization University of Management and Technology, Lahore*

استعمار کی فکری وتہذیبی مسائل کا حل، مالک بن نبیؒ کی فکر کے تناظر میں

مالک بن نبیؒ اسلامی تہذیب کے عظیم مفکرین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی پیدائش 1905ء کو الجزائر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم سے لے اعلیٰ تعلیم اور پھر عملی میدان میں اترتے وقت تک ان کے وطن پر استعمار کا قبضہ تھا۔ اس دوران انہوں نے معاصر تہذیبوں کا مطالعہ کیا۔ معاصر تہذیبی مطالعہ میں استعمار کے اثرات پائے گئے۔ جس کی روشنی میں مالک بن نبیؒ نے مسلمانوں کے تہذیبی زوال کو دیکھا ہے۔ ان کے نزدیک نہ تو محض روایت کے ساتھ جڑنا مسئلے کا حل ہے نہ مغرب کی تقلید کر کے مسلمان آگے بڑھ سکتے ہیں۔

مالک بن نبیؒ نے "القابلیۃ للاستعمار" کا نظریہ پیش کیا، ان کے بقول: 'قابل استعمار' ہونا کسی قوم کے ہاں پائی جانے والی ایک حالت کا نام ہے، غیر قوم نے آکر اِس کو محض 'دریافت' کیا تھا نہ کہ اِس کو 'پیدا' کیا تھا۔ اسی طرح 'نا قابلِ استعمار' ہونا بھی کسی قوم کے ہاں پائی گئی ایک "حالت" ہی کا نام ہے جس کو جب تک پیدا نہ کیا جائے وہ معرض وجود میں نہیں آتی۔ بہ الفاظ دیگر جب تک آپ خود استعمار کو دعوت نہیں دیتے وہ خود آپ کے پاس نہیں آتا۔ لہٰذا استعماری قوتوں کے قبضے کو امت مسلمہ کے زوال کا سبب مان کر ہم بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔

ذیل کے سطور میں "استعمار کی فکری وتہذیبی مسائل کا حل، مالک بن نبیؒ کے فکر کے تناظر میں" کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مبحث اول: استعمار

مالک بن نبیؒ نے جن تہذیبی مسائل پر اپنی کتابوں میں تذکرہ کیا ہے ان میں استعمار، استشراق، سرمایہ دارانہ نظام، جمہوریت اور قومیت نمایاں مسائل ہیں۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ مالک بن نبیؒ کی کتابات کی روشنی میں ان مسائل کے بارے میں ان کا موقف پیش کیا جائے گا۔

استعمار کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں۔ احمد عطیۃ اللہ کے مطابق "اپنی حدود سے باہر کسی اجنبی قوم کے ملک پر ان کی مرضی کے بغیر سیاسی اور اقتصادی غلبہ حاصل کر کے حکومت قائم کرنے کا نام استعماریت ہے۔[1] اسی طرح محمد عوض نے اپنی کتاب "**الاستعمار والمذاهب الاستعمارية**" میں لکھا ہے کہ استعمار کسی حکومت یا منظم گروہ کی طرف سے ایسے ملک یا اس کے باشندوں یا بیک وقت دونوں پر قبضہ کرنے یا اپنا نفوذ بڑھانے کی غرض سے کئے گئے اقدامات کو استعماریت کہتے ہیں۔[2]

یہ اور اس طرح کے دیگر جتنی بھی تعریفات کی گئی ہیں ان میں ایک چیز مشترکہ ہے اور وہ کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنا اور انھیں آزادی سمیت ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرنا ہے۔ استعمار کی کئی قسمیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی ملک طاقت کے ذریعے کسی کی سرزمین پر قبضہ کر کے ان کے اصلی باشندوں کو وہاں سے بے دخل کر دیں اور ان کی جگہ نو آباد کاروں کو لائیں۔ جیسا کہ اہل فلسطین کے ساتھ ہوا۔ دوسری قسم عسکری استعمار ہے جس میں فوجی طاقت استعمال کر کے کسی اجنبی ملک کے اوپر زبردستی قبضہ تو کیا جائے مگر اس کے مکینوں کو وہاں پر ہی رہنے دیں۔ جیسا کہ امریکہ نے افغانستان اور عراق کے ساتھ کیا۔ تیسری قسم فکری، سیاسی اور اقتصادی استعماریت ہے، اس سے مراد کسی مضبوط ملک کا کمزور ملک کو تسلیم کرتے ہوئے اور اسے برقرار رکھتے ہوئے اپنی سیاسی اور اقتصادی اثر ورسوخ کے تحت دبا کر رکھے۔ چنانچہ ملک کے اہم سیاسی فیصلے استعمار کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جبکہ ملک کے معاشی معاملات کو بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ وہی کنٹرول کرتے ہیں۔ استعمار کی جو بھی صورت ہو اس کے ایجنڈے میں درج ذیل اہداف شامل ہوتے ہیں:

- مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہ کر کنٹرول کیا جائے اور ایسی حکومتیں قائم کی جائیں جو بالآخر مسلمانوں کا خاتمہ کریں[3] یا ایسی حکومتیں قائم کریں جو ان کے اشاروں پر چلیں۔ نیز ان ممالک کے قدرتی وسائل پر قابض کرنا استعمار کے اولین مقاصد میں شامل ہے۔

---

[1]۔ عطية الله، احمد، القاموس السياسى (بيروت: دار النهضة العربية، 1980ء)، ط:4، ص: 74، 74۔

[2]۔ عوض محمد، الاستعمار والمذاہب الاستعمارية (مصر: دار المعارف، 1957ء)، ط:4، ص: 36۔

[3]۔فروخ عمر ، الخالدى مصطفى، التبشير والاستعمار (1980ء) ، ط:2، ص: 115۔

- اسلام کو اندر سے کمزور کرنا، اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا، مسلمانوں کی عملی زندگی سے اسلام کی اثر انگیزی کو ختم یا کم کرنا، مسلمانوں کو تقسیم در تقسیم کرنا، دنیا کے سامنے ان کی غلط تصویر پیش کرنا اور اسلام اور مسلمانوں کے روشن مستقبل کے سامنے دیوار کھڑی کرنا ان کے مقاصد میں شامل ہے۔[4]
- استعمار کے مذموم مقاصد میں مقبوضہ ممالک کے باشندوں کے دلوں میں مغرب اور اس کے نظام ہائے زندگی کو راسخ کرنے کی کوشش کرنا اور ایسے چیلے تیار کرنا جو مغرب کا حقیقی چہرہ چھپانے میں ان کی مدد کریں۔[5]

استعمار کی انہی سازشوں کی وجہ سے 1924ء میں خلافت عثمانیہ کا سقوط عمل میں آیا اور اسلامی حکومت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ معیشت میں مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام، سیاست میں مغربی جمہوری نظام جبکہ عدالتوں اور دیگر محکموں میں مغربی قوانین رائج ہوئے۔ اسی طرح دین اور سیاست کو الگ الگ کر دیا یہاں تک کہ اسلامی حکومت کا قیام شجر ممنوعہ بن جائے نیز استعماری قوتوں کو علم و معرفت کا سرچشمہ بنا کر پیش کیا گیا۔[6]

مالک بن نبیؒ کے مطابق مسلمان مفکرین استعماری ایجنڈے کو پہچاننے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ "حقیقت یہ ہے کہ ہم نے استعمار کو اس گہرائی سے مطالعہ نہیں کیا جتنی گہرائی سے اُس نے ہمیں مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے بعض قومی بلکہ دینی معاملات میں بھی مداخلت کرنے لگیں اور ہمیں محسوس بھی نہیں ہونے دیا۔[7] یہی وجہ ہے کہ مالک بن نبیؒ نے علم نفسیات، تاریخ اور الجبرا کے اصول کو استعمال کرتے ہوئے نو آبادیاتی طریقوں کا مطالعہ کیا۔

ان کے مطابق استعماری حربے زندگی کے کسی ایک طبقے تک محدود نہیں تھے بلکہ تمام مراحل پر محیط تھے۔ استعماری معاشرہ بچوں کی صحت، تعلیم اور فکری نشو و نما کے راستے میں رکاوٹیں ڈال کر اسے مشکل بناتا ہے بلکہ بھکاری بنانے یا جوتے پالش کرنے پر مجبور کر کے اس کی بچپن کو چھین لیتا ہے اور اس کی عزت نفس کو دفن کر دیتا ہے۔ اگر کسی صورت وہ سکول میں داخل ہو بھی جاتا ہے اور کچھ تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ملازمت کے لئے دھکے کھانے پڑتے ہیں۔[8]

مالک بن نبیؒ نے استعمار کے بغور مطالعے کے دوران "القابلية للاستعمار" کی اصطلاح ایجاد کی جس سے مراد کسی قوم کا نفسیاتی طور پر اس طرح شکست خوردہ ہونے کو تسلیم کرنا ہے کہ وہ نہ صرف استعمار اور اس کے کارندوں کو قبول کریں بلکہ اس کے ناجائز قبضے کا دفاع بھی کریں۔ ان کے مطابق یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جو مسلم امہ کے بیشتر ممالک کو درپیش ہے۔ اس بیماری کی وجہ سے مقبوضہ قوم سامراجی ایجنڈے کو آگے بڑھاتی ہے اور وہ تمام اقدامات بلکہ اصطلاحات کو قبول کرتی ہے جو سامراج ان کے لئے استعمال کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ان کی ذات پر نفسیاتی اثر چھوڑ دیتے ہیں۔ مالک بن نبیؒ کے مطابق یہ کیفیت اس انسان کے اندر سے اٹھتا ہے جو استعمار کی طرف سے اس کے لئے متعین کردہ رنگ میں رنگنا چاہتا ہے اور اس تنگ دائرے میں چلنا قبول کر لیتا ہے جو استعمار نے اس کے لئے مقرر کئے ہیں اور ان افکار اور زندگی کی ان راہوں کو اپناتا ہے جو

---

[4]۔ بہندی، صالح ذیاب، دراسات فی الثقافة الاسلامیة (عمان : جمعیة عمال المطابع التعاونیة، 1981ء)، ط:2، ص:30۔

[5]۔ الکیالی، عبد الوہاب، الموسوعة السیاسیة (فلسطین: دار الشفق، 1989ء)، ط:2، ص: 176۔

[6]۔ النبهانی، تقی الدین، الدولة الاسلامیة (دمشق: مطبعة المنار، 1952ء)، ص: 140 تا 148۔

[7]۔ شروط النهضه، ص: 155۔

[8]۔ ایضا، ص:147۔

سامراج نے ان کے لئے متعین کیے ہیں۔ پھر یہی انسان اپنے آپ کو "مقامی" کہلوانا قبول کرتا ہے جیسا کہ فرانسیسی سامراج نے الجزائری عوام کا نام رکھا تھا بلکہ ہر وہ نام قبول کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے جو کسی بھی پہلو سے اس کی حیثیت کو کم کرنے کے لئے ہو۔[9]

مالک بن نبیؒ سمجھتے ہیں کہ استعمار سے جان چھڑانے کے لئے پہلے ان اسباب سے جان چھڑانی ہوگی جن کے نتیجے میں وہ اس قابل ہوا کہ ہم پر قبضہ کرسکیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "ہمارے نزدیک اصل مسئلہ ہمارے اندر ہے۔ ہمارے اندر شعوری اور لاشعوری طور پر ان کی خدمت کی جراثیم موجود ہے جس سے فائدہ اٹھا کر وہ ہماری معاشرتی طاقت کا رُخ بدلتے ہیں اور جب چاہیں ہماری وحدت کے پرخچے اڑادیتے ہیں، جب تک ان کی یہ خفیہ طاقت موجود رہے گی اس وقت تک آزادی وخود مختاری کا خیال ذہن سے نکالنا چاہئے، کسی نے کیا خوب کہا کہ "سامراج کو اپنے دل سے نکالو تو وہ خود بخود آپ کے ملک سے نکل جائے گا"۔[10] اس لئے کہ جو کچھ وہ ہم پر مسلط کرنا چاہتا ہے وہ ہمارے لاشعور میں جا کر بیٹھتا ہے، لہٰذا اگر سامراج کے اثر سے نکلنا ہے تو پہلے اس کے سبب سے جان چھڑانی ہوگی جو کہ "قابلیت استعمار" ہے۔[11] معلوم ہوا کہ مالک بن نبیؒ کے نزدیک سامراج کی پیروی اور غلامی کو فرد کا مسئلہ جبکہ استعمار کے اپنانے کو مقبوضہ قوم کا اجتماعی مسئلہ قرار دیا ہے۔ وہ مسلمانوں سے انفرادی طور پر استعمار کو ذہن سے خارج کرنے اور اجتماعی طور پر اسے اپنانے کی تمام تر صلاحیت کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کے مطابق استعمار سے جان چھڑانے کا مطلب اسے فوجی شکست کے ذریعے ملک سے نکالنا نہیں بلکہ مکمل تہذیبی آزادی اور خود مختاری ہے۔

مالک بن نبیؒ معاشرے کی نوعیت کا تعین تین عوامل کے ساتھ کرتے ہیں، ان کے مطابق معاشرہ: افراد، افکار اور اشیاء سے تشکیل پاتا ہے۔[12] ان تین بنیادی عناصر کے بغیر کوئی معاشرہ تشکیل نہیں پاتا، تاہم ان میں سے کوئی بھی عامل اکیلے اکیلے کام نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے مشترکہ عمل کی ضرورت ہے۔ اس کی عملی تصویر اہل معاشرہ کے نظریات کے مطابق افکار کو لے کر انھیں عالم اشیاء کے دستیاب وسائل کے ذریعے عالم افراد کے طے کردہ اہداف ومقاصد کے لئے نافذ کر کے بن جاتی ہے۔ یہ سارا کام منظم انداز میں ہونا چاہئے تاکہ ایک تاریخی عمل بن جائے چنانچہ ایک چوتھے عامل کی ضرورت پڑے گی جسے ہم ضروری سماجی روابط کہہ سکتے ہیں۔[13]

استعمار معاشرے کی اس نوعیت سے آگاہ ہوتا ہے، چنانچہ پہلا حملہ وہ افکار پر کرتا ہے اور اس کے ذریعے افراد کے اندر استعمار کی قبولیت کے بیج بو دیتا ہے جبکہ دوسری طرف وہ معاشرے کو تباہ کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ سماجی رابطے اور باہمی یکجہتی ہی معاشرے کی بقا کی ضامن ہے، جب تک اس کو ٹارگٹ نہ کیا جائے تب تک استعماری ایجنڈا مکمل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وہ ہر مقبوضہ ملک میں اپنا پرانا فارمولا "Divide and Rule" استعمال کرتا ہے۔[14]

لیکن مالک بن نبیؒ کے مطابق محکوم ممالک کے باشندے خود اندھے بن جاتے ہیں، انھیں صرف وہی نظر آتا ہے جو سامراج انھیں دکھانا چاہتا ہے۔ ہم اس کے شیطانی چال نہیں سمجھ پاتے، ہمیں ان کے ٹینک، جہاز اور گولیاں تو نظر آتی ہیں لیکن ان کی خفیہ چالوں سے ہم ناواقف ہوتے

---

[9]۔ ایضاً، ص: 146، 147۔

[10]۔ ایضاً: ص: 154، 155۔

[11]۔ وجهة العالم الاسلامی، ص: 87۔

[12]۔ میلاد مجتمع: 23۔

[13]۔ ایضاً، ص: 24۔

[14]۔ ایضاً، ص: 76، 77۔

ہیں۔ وہ مسلمان ممالک میں کشیدگی پیدا کرنے کے لئے کسی کا قتل کرتے ہیں اور اس کا الزام کسی دوسرے فریق پر ڈالتے ہی یا جدوجہد آزادی کے کسی ایک سیاسی لیڈر کے ضمیر کو خریدتے ہیں اور اسی کے ذریعے بہت سارے کارکنان کو خاموش کرتے ہیں۔[15]

استعماری حربے:

مالک بن نبیؒ کے مطابق استعمار سب سے زیادہ لوگوں کی فکر اور سوچ کی تبدیلی پر توجہ دیتا ہے، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اسی پر ہی ان کے تہذیبی عمارت کا دارومدار ہے۔ مالک بن نبیؒ کے مطابق فکری میدان کو فتح کرنے کے لئے استعمار درج ذیل حربے استعمال کئے:

- اپنے ایجنڈے کی خاطر پہلے کسی مخصوص نظریہ کے حامل شخص کو مصنوعی طور پر ہیرو بناتے ہیں، پھر طاقت کا استعمال کرکے یا لالچ دے کر اس کے خلاف ہو جاتے ہیں اور ایسی فضا بناتے ہیں جس کے پیچھے قوم خود بخود چل پڑتی ہے۔
- اسی طرح مذہب کا کارڈ استعمال استعمال کرکے لوگوں کو اپنے ایجنڈے کے پیچھے لگاتے ہیں۔ اس ضمن میں درباری مفتیوں سے فتوے حاصل کئے جاتے ہیں۔[16]
- قوم کی جہالت کا فائدہ اٹھا کر ان کے خالی اذہان میں مخصوص سوچ ڈالی جاتی ہے۔
- پیسہ استعمال کرکے لوگوں کے ایمان کا سودا کیا جاتا ہے۔ پیسوں کے ذریعے ایسے معاہدے کئے جاتے ہیں جن کے نتیجے میں جب چاہیں اور جیسے چاہیں افکار کو پھیلاتے ہیں۔[17]

اس انداز سے پردے کے پیچھے رہ کر استعمار ہماری سوچ کو قابو کرلیتا ہے۔ مالک بن نبیؒ کے نزدیک نفسیاتی شکست اور ذہنی غلامی استعمار کی کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے جو محکوم لوگ انھیں فراہم کرتے ہیں۔ اسی کو مالک بن نبیؒ نے "قابلیة للاستعمار "یعنی استعمار کے قابل ہونے کا نام دیا ہے۔ اس میں بنیادی ضرب فکر پر پڑتی ہے کیوں کہ فکر ہی انسانی سلوک کا بنیادی محرک ہے جسے استعمار بہر صورت بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ مصنوعی قیادت کھڑا کرکے ان کے ذریعے کمزور قوموں کو کنٹرول کرتا ہے۔

استعمار نے ذہنی غلامی کا ایک اور اہم حربہ استعمال کیا جس کے تحت ذہین اور تیز طالب علموں کو تعلیمی وظائف دے کر مغربی ممالک بھیجنا تاکہ وہاں ان کی برین واش کرکے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ مالک بن نبیؒ نے اس ضمن میں بہت واضح طور پر لکھا ہے کہ جو ممالک اپنے بچوں کو یورپ بھیجتے ہیں وہ ان کے نتائج سے غافل ہیں کہ کیسے یہ مستقبل میں ان کے فکری تصادم میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ ان کی ضروریات کی اہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں، نہ ان کی اخلاقی اور سوچ کی فکر ہوتی ہے نہ ان کی واپسی کا کوئی میکنزم۔ مالک نبی کہتے ہیں کہ "نوآبادیاتی ممالک عام طور پر جانتے نہیں کہ فکری یلغار کسے کہتے ہیں بلکہ اسے معاشرے میں سوچ اور فکر کی اہمیت کا بھی اندازہ نہیں ہوتا، نہ اُن منصوبوں کا ادراک ہوتا ہے جو ترقی پزیر ممالک کو زیر کرنے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ جب کوئی گروپ اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر ملک میں بھیجا جاتا ہے تو انھیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اسے فکری یلغار کے سامنے پھینکتے ہیں جبکہ المیہ یہ ہے کہ انھیں اس کشمکش کے تقاضوں، سامراج کے اہداف، وسائل اور طریقہ کار کا ادراک تک نہیں ہوتا، انھیں تو بس اس کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں کہ طالب علموں کو باہر بھیج دیا جائے"۔[18]

---

[15]۔ ایضا ، ص: 77۔

[16]۔ الصراع الفكرى فى البلاد المستعمرة، ص: 17۔

[17]۔ ایضا، ص: 19۔

[18]۔ ایضا، ص: 33۔

جو طالب علم مغربی ممالک میں وظیفہ حاصل کر کے جاتے ہیں تو انھیں ایسے نہیں چھوڑا جاتا بلکہ ان کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اور ان کی کھڑی نگرانی کی جاتی ہے۔ ہر فرد کی الگ الگ فائل بنائی جاتی ہے جس میں اس کے بارے میں ہر چھوٹی بڑی بات کو درج کیا جاتا ہے تاکہ اس کے بارے میں اپنی ضرورت کی زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کر سکیں۔ ان کی پسند اور شوق سے لے کر اٹھنے بیٹھنے اور سوچنے کے انداز تک کا جائزہ لیا جاتا ہے اور پھر بڑی باریک بینی سے انھیں ادب، تاریخ، فلسفہ یا ان شعبوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں جن سے وہ اپنی فکری منصوبوں کو تکمیل تک با آسانی پہنچ سکیں۔

وہ لکھتے ہیں: استعمار اپنی تمام شیطانی صلاحیتیں بروئے کار لاتا ہے تاکہ کوئی بھی طالب علم بے کار واپس نہ لوٹے بلکہ زیادہ سے زیادہ فکری غذا ساتھ لے کر جائے۔ چنانچہ ہر طالب علم کے متعلق جمع کردہ معلومات کی روشنی میں اس کی پسند ناپسند اور اس کی ضرورتوں کو دیکھا جاتا ہے اور اس کے مطابق اس کے لئے جال بچھایا جاتا ہے، کہیں ورغلانے اور لالچ کی صورت میں اور کہیں دھمکی اور بلیک میلنگ کی صورت میں اسے اپنے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔[19]

ان تعلیمی وظائف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلبہ ایک طرف استعمار کا خفیہ ایجنڈا ساتھ لے کر آتے ہیں جس کے ساتھ مغربی ثقافت اور لادینیت خود بخود چلی آتی ہے اور دوسری طرف انہی میں سے کچھ لوگوں کو خصوصی ٹریننگ دے کر باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے ملک کے اہم مناصب اور اہم ذمہ داریوں پر لگواتے ہیں، اور ان کے ذریعے مسلمان معاشرے میں لادینیت کا ایجنڈا انافذ کرتے ہیں۔[20]

مالک بن نبیؒ نے مسلمانوں کی پستی اور احساس محرومی کی صورت حال کی نشاندہیکرتے ہوئے لکھا ہے:

(ا) ہم کچھ نہیں کرسکتے، کیونکہ ہمیں علم نہیں ہے۔

(ب) ہم اس بات کا ادراک نہیں کر سکتے، کیونکہ ہم غریب ہیں۔

(ج) ہم یہ کام نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ہم پر غیر مسلط ہیں۔[21]

مالک بن نبیؒ نے شدت سے محسوس کیا کہ تعلیم کو معاشرتی طور پر موثر ہونا چاہئے اور لوگوں کو ناخواندگی کے نقصانات کے بارے میں بتانا چاہیے کہ یہ معاشرے کے لئے تباہ کن ہے۔ مزید یہ کہ اگر پڑھا لکھا آدمی بیکار ہے تو یہ ناخواندگی سے کہیں زیادہ خطرناک بات ہے۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ غربت کے ساتھ جہالت زیادہ خطرناک ہوتی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ دولت و ثروت باہمی تعاون کو فروغ دینے کا ذریعہ ہونی چاہئے، اصل ذمہ داری یہ نہیں کہ انسان پیسہ اکٹھا کرے اور امیر بن جائے، بلکہ اس کا جائز راستوں میں استعمال کرنا، افراد اور قوم کے فائدے کے لیے خرچ کرنا حقیقی ذمہ داری ہے۔

اس کے ساتھ ایک اور اندرونی مسئلہ جس کو مالک بن نبیؒ نے خاص طور سے ذکر کیا وہ مسلم دنیا کی سیاست ہے۔ جس سیاسی طریقہ کار کو مالک بن نبیؒ نے دیکھا وہ صرف استعمار کی مذمت کرتا ہے بجائے اس کے کہ لوگوں میں یہ بیداری لائی جائے کہ قول کے ساتھ ساتھ عمل کی بھیا تنی ہی ضرورت ہے اور باطنی قوت ظاہری رکھ رکھاو سے زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ مسلم قوم نے کبھی بھی اپنی حالت کو "استعمار کے قابل ہونے" سے فکر و عمل کی ایک متحرک اور فعال وجود میں تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔[22]

---

[19]۔مالک بن نبی، الصراع الفکری فی البلاد المستعمرة، ص:33۔

[20]۔ صالح الرقب، واقعنا المعاصروالغزو الفکری (فلسطین: مطبعة الرنتیسی، 2002ء)، ط:4، ص: 82۔

[21]سیف الدین سید، مالک بن نبی:دور جدید کے ایک اسلامی و سماجی مفکر، ماہنامہ رفیق منزل، شمارہ: 34، جلد:12، آن لائن پڑھنے کے لئے دیکھئے:https://rafeeqemanzil.com/malik-bin-nabi-a-contemporary-islamic-thinker/

[22]۔ ایضاً

استعمار کے خارجی عوامل کے حوالے سے مالک بن نبیؒ استعمار کے فلسفے کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ استعمار جب بھی کسی ملک میں داخل ہوتا ہے، اسے تباہ کردیتا ہے اور معزز لوگوں کو ذلیل کردیتا ہے اور ان کیبہ حالت کردیتا ہے کہ ان میں امید کی کوئی رمق باقی نہ رہے۔ مسلمانوں کی حالت اور عمل کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلم دنیا اس بات کی منتظر ہے کہ مغرب کی رفتار سست پڑ جائے یا ان کی حالت ایسی ہو جائے کہ اس میں اب کوئی جان باقی نہیں رہے، حالانکہ مغرب نے یہاں دھاوا اس لئے بولا تھا کہ مسلمانوں کو ان کے ماضی، حال اور مستقبل سے جدا کردیں۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ استعمار ایک طریقہ کار ہے جس کا مقصد ہی ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے جس کے ذریعہ ملک کے تمام اخلاقی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی اقدار کو تباہ کیا جاسکے۔ چنانچہ مالک بن نبیؒ کے نزدیک مسلم دنیا کے زوال کی بنیادی وجہ مسلم دنیا کا استعمار کے قابل ہو جانا ہے اور بنیادی طور پر اس کی وجہ خود مسلمان ہیں جنہوں نے مغرب کی استعماری پالیسی کو قوت بخشی۔[23]

مبحث دوم: استشراق

مالک بن نبیؒ نے یورپ کے قلب فرانس کے دار الحکومت پیرس میں مستشرقین کے درمیان تیس سال کا عرصہ گزارا، چنانچہ انہوں نے قریب سے مغرب کو دیکھا، استشراق کو گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا، مستشرقین کے طریقہ واردات اور سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کی۔ مالک بن نبیؒ نے استشراق کو صرف ایک فکر کی حیثیت سے نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے مستشرقین کو اس فکر پر مجبور کرنے والے عوامل اور ان کے نفسیات کا بھی بغور جائزہ لیا۔ ان کے نزدیک "مستشرقین سے مراد وہ مغربی لکھاری ہیں جو اسلامی فکر اور تہذیب سے وابستہ ہو کر اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔[24]

مالک بن نبیؒ نے مستشرقین کو سمجھنے کے لئے انہیں دو طرح سے تقسیم کیا ہے؛ ایک زمانی تقسیم جیسے پرانے مستشرقین ہیں مثلا: گربرڈور بیک اور سینٹ تھامس اکویناس [م: 1274ء] وغیرہ، اور معاصر یا جدید مستشرقین جیسے برنارڈ کارے ڈی فو [م: 1953ء] اور ایگناز گولڈزیہر [1850ء-1921ء] وغیرہ[25]، جبکہ دوسری تقسیم انھوں نے مستشرقین کے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں خیالات کو دیکھ کر کی ہے۔ اس تقسیم کے اعتبار سے کچھ مستشرقین وہ ہیں جو اسلامی تہذیب کی تعریف اور مدح کرتے ہیں[26] جبکہ کچھ وہ ہیں جو نہ صرف اسلامی تہذیب کے ناقدین ہیں بلکہ اسے بدنام کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

قدیم مستشرقین کے بارے میں مالک بن نبیؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ صرف مغرب میں لوگوں کے افکار پر اثرانداز ہوئے ہیں اور مسلمانوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔ بن نبی دوسرے طبقے کے مستشرقین جنہوں نے اسلامی فکر و تہذیب کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے، کے بارے میں بھی زیادہ فکرمند نہیں ہیں بلکہ ان کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ ان کی وجہ سے مسلم مفکرین نے قلم اٹھایا ہے اور اپنی تہذیب و ثقافت کا دفاع کیا ہے۔[(27)] مالک بن نبیؒ نے ان مستشرقین سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی تعریف کے لبادے میں زہر آلود افکار

---

[23]۔ ایضاً۔

[24]. مالك بن نبي، إنتاج المستشرقين وأثره في الفكر الإسلامي الحديث(بيروت: دار الإرشاد، ط:1، 1969ء) ، ص:5.

[25] Anwar, F., Rasool, H. F., & Haq, M. A. U. (2024). توہین انبیاء کی عالمی مہم محرکات، اسباب، اور سدباب: ایک تحقیقی جائزہ: Global Campaign about Prophetic Blasphemy: Motivations, Causes, and Solutions-A Research Overview. *International Research Journal of Arabic and Islamic Studies*, *4*(2), 47-67.

[26] . مالك بن نبي، القضايا الكبرى، (دمشق: دار الفكر، ط:1، ء) 1991، ص: 167.

[27]۔ حسن موسی محمد العقبی، موقف مالک بن نبی من القضایا الفکریۃ المعاصرۃ (فلسطین غزۃ: الجامعۃ الاسلامیۃ، 2005ء)، ص:92۔

پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسے مستشرقین کی کوشش ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے شاندار ماضی کے خواب دیکھتے رہیں اور عصر حاضر کے تقاضوں کو نظر انداز رکھ کر دوبارہ بیدار ہونے کی کوشش نہ کریں۔[28]

مالک بن نبیؒ فرماتے ہیں: "اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی تہذیب کی تعریف و توصیف کرنے والے مستشرقین، مثلاً جوزف رینو[1795ء-1867ء]، جس نے انیسویں صدی کے وسط میں جغرافیے پر ابو الفداء الدمشقی[1273ء-1331ء] کی کتاب کا ترجمہ کیا، اور رین ہنٹ ڈوزی[1820ء-1883ء] جس کے قلم نے اسپین میں عربوں کی روشن صدیوں کو اُجاگر کیا، اور لوئیس سیڈیو[1808ء-1875ء] جو زندگی بھر اس کے لیے بر سرِ پیکار رہا، تا کہ عرب عالم فلکیات و انجینیر ابو الوفا، البوزجانی[1940ء-1998ء] کو 'چاند کی حرکت کے دوسرے قانون' کا موجد قرار دیا جاسکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مغربی اہلِ قلم حضرات نے علمی حقائق کی برتری ثابت کرنے اور حقیقی تاریخ کو اُجاگر کرنے کے لیے لکھا، اور یہ سب انھوں نے اپنے مغربی معاشرے کے لیے کیا۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرے کے دانش وَر طبقے پر یہ افکار زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں۔"[29] وہ خود بھی اپنے آپ کو مستشرقین کے احسان مند سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: میں ان مسلم نسل سے تعلق رکھتا ہوں جو مغربی مستشرقین کی احسان مند ہے، کیوں کہ بالواسطہ اُن کی وجہ سے اسے وہ راستہ ملا جس سے مغربی تہذیب کی چمک دمک سے متاثر احساس کمتری کا شکار ضمیر جاگ سکتا ہے۔[30]

استشراقی فکر کے منفی اثرات

میں عمر کے اعتبار سے اس مسلم نسل سے تعلق رکھتا ہوں، جو ان مغربی مستشرقین کی اس معنی میں احسان مند ہے کہ ان کے توسط سے اسے وہ ذریعہ ہاتھ لگا، جس سے مغربی تہذیب کی چمک دمک سے متاثر اسلامی ضمیر کا احساس کمتری دُور ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر ہم اس مسئلے کا اپنے حالیہ تجربات کی روشنی میں جائزہ لیں، تو محسوس ہو گا کہ اس طریقے کے نتائج ہماری فکر و ثقافت کی خوش آیند تبدیلی تک ہی محدود نہیں رہے، بلکہ دوسری طرف اس کے منفی اثرات بھی ظاہر ہوئے۔ انھی اثرات کو ہم یہاں زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔ اسلامی معاشرے پر ان اثرات کی حقیقی شکل کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ہمیں اس قسم کے استشراق کا جائزہ اس کے اصل تاریخی مآخذ کی روشنی میں لینا ہو گا۔

یورپ نے اپنی تاریخ کے دو مرحلوں میں اسلامی فکر کا انکشاف کیا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے مرحلے میں تھامس اکویناس[م: ۱۲۷۴ء] سے پہلے اور بعد کے دور میں یورپ نے اس فکر کا انکشاف اور ترجمہ کر کے اپنی تہذیب اور ثقافت کو مالا مال کر لیا تھا، اور اسی سبب وہ پندرھویں صدی کے آخر سے اپنی نشاتِ ثانیہ کی جانب کامیابی سے گامزن ہو سکا۔

جدید سامراجی دور میں اس نے فکر اسلامی کا ایک بار پھر انکشاف کیا۔ اس بار ثقافتی ترمیم کے لیے نہیں بلکہ سیاسی ترمیم کے لیے، تاکہ وہ اپنے سیاسی منصوبوں کو مسلم ملکوں کے حالات کے مطابق جما سکے اور ان حالات کو مسلم ملکوں کے لیے اپنی طے شدہ پالیسیوں کے رُخ پر موڑ کر مغلوب اقوام پر اپنی گرفت مضبوط کر سکے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ مغرب ان علمی کوششوں کے ذریعے انسانیت کے تمدنی سرمایے میں ان اقوام کی خدمت کی صرف ستایش کرنا چاہتے ہوں۔

---

[28] ۔ ایضا، ص: 93۔

[29]۔ مالك بن نبي، إنتاج المستشرقين وأثره في الفكر الإسلامي الحديث(بيروت: دار الإرشاد، ط:1، 1969ء) ، ص:7-8.

[30]۔ ایضا، ص: 8۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لویس سیڈیو اور چارلس گستاولیبان [۱۸۴۱ء-۱۹۳۱ء] جیسے مستشرقین حقیقی علمی جذبے کے تحت تحقیق و تلاش کر رہے تھے۔ لیکن یہاں اس بات کو سامنے رکھنا ضروری ہے کہ یہ تعارف ایسے تاریخی حالات میں ہوا، جب اسلامی علوم کی یہ حیثیت نہیں تھی کہ ان کو اساتذہ کے لیکچرز اور ان کی جدید تالیفات سے حاصل کیا جاسکتا، بلکہ وہ ایک طرح سے آثارِ قدیمہ کی شکل اختیار کر چکے تھے، جن کا انکشاف مغربی اہلِ علم کے ہاتھوں محض اتفاقاً ہوتا تھا۔ وہ انھیں منتقل کرنے میں کبھی دیانت داری اور کبھی بددیانتی سے کام لیتے۔ یہ سائنسی دریافتیں کبھی مسلمان علما اور کبھی اہلِ یورپ کی طرف منسوب کر دی جاتی تھیں۔ اس طرح عظیم انکشاف کو اصل موجدوں کے بجائے دوسروں کی طرف منسوب کیا جاتا رہا۔ جیسے خون کی گردش کے نظام کا پتا لگانا برطانیہ کے ماہر حیاتیات اور معروف معالج ولیم ہاروے [۱۵۷۸ء-۱۶۵۷ء] سے منسوب کیا گیا، حالاں کہ دراصل مسلمان طبیب علاء الدین ابن النفیس [۱۲۱۳ء-۱۲۸۸ء] اس سے چار سو سال قبل اس کا انکشاف کر چکا تھا۔

مذکورہ رویوں سے عالمِ اسلام کو مغربی ثقافت سے سخت دھچکا لگا۔ اس کے دو طرح کے اثرات ظاہر ہوئے: ایک طرف تو اسے واضح احساسِ کمتری سے دوچار ہونا پڑا، اور دوسری طرف اس احساسِ کمتری کے ازالے کی کوشش میں وقت اور قوت کا ضیاع ہوا، خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی رہی ہو۔ اس صدمے نے مسلم دانش وروں کی ایک جماعت کی ثقافتی قوتِ مدافعت کے نظام کو تقریباً مفلوج کر کے رکھ دیا۔ اس احساسِ کمتری کے نتیجے میں وہ مغرب کی ثقافتی یلغار کا مقابلہ نہ کر سکے اور فکری جنگ شروع ہوتے ہی کسی شکست خوردہ فوج کی طرح میدان میں اسلحہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس قسم کے دانش وروں کو مغرب کی پوشاک، رہن سہن اور طور طریقے اپنانے ہی میں راہِ نجات نظر آئی، خواہ ان کے اس طرزِ عمل کا مغرب کی حقیقی تہذیبی اقدار سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔

مبحث: سوم

وحی کے بارے میں مستشرقین کا اعتراض اور مالک بن نبیؒ کا موقف

وحی "اللہ کا اپنے رسولوں میں سے کسی ایک کو، یا اپنے نبیوں میں سے کسی ایک کو، اُسکلام یا معنی کے بارے میں جس کے بارے میں وہ چاہتا ہے اس طریقے سے بتانے کا نام ہے جس سے نبی یا رسول کو یقین اور فیصلہ کن علم کے ساتھ فائدہ پہنچے جو اللہ نے اسے سکھایا ہے"[31] وحی اسلام کی بنیاد ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے اور اسی پر پورا اسلام قائم ہے، چنانچہ مستشرقین کی کوشش اس کے انکار پر مرکوز رہی اور انہوں نے حسب عادت اس انکار کو سائنس کا لبادہ میں پہنانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وحی کا واقعہ ایک خود ساختہ ذاتی تصور ہے، یعنی محمد نے نہ کسی فرشتے کو دیکھا اور نہ ہی باہر سے کوئی کلام سنا۔ مستشرقین نے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور مالک نے اسے مستشرقین کے مفروضے قرار دئے ہیں، جن کی تحقیق کی ضرورت ہے[32]، وہ مفروضے جو انھوں نے پیش کئے ہیں، درج ذیل ہیں:

1. یہ الہام اور مکاشفہ کا ایک مظہر ہے، مطلب یہ ہے کہ محمد مذہبی مسئلہ پر گہرے مراقبے میں ڈوبے ہوئے تھے جس نے انھیں مستقبل کی دعوت کے لیے ایک قسم کی الہام تک پہنچا دیا۔
2. یہ اندرونی سخت تناؤ اور مرگی کی سی کیفیت ہے۔
3. یہ ذات کے اندر لاشعور سے پیدا ہونے والی کیفیت ہے۔

---

[31] ۔ المیدانی، عبد الرحمن حسن حبنکه، العقیدة الاسلامیة واسسها، (دمشق: دارا لقلم،ط:2، 1979ء)، ص: 528۔

[32] Anwar, F., Rasool, H. F., & Haq, M. A. U. (2024). توہین انبیاء کی عالمی مہم محرکات، اسباب، اور سدباب: ایک تحقیقی جائزہ: Global Campaign about Prophetic Blasphemy: Motivations, Causes, and Solutions-A Research Overview. *International Research Journal of Arabic and Islamic Studies*, *4*(2), 47-67.

مالک نے ان مفروضوں کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک واضح طریقہ کار اپنایا، انھوں نے انکشاف کے تصور کا مطالعہ اُس کے مفہوم کے بارے میں بات کرتے ہوئے شروع کیا، کہ یہ "کسی ایسے موضوع کا براہ راست علم ہے جو سوچنے کے قابل ہو یا فی الواقع اس کے بارے میں سوچا جا رہا ہو۔"[33] لیکن اس معنی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پر نازل ہونے والی وحی کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں بنتا کیونکہ ان پر وحی اُن معاملات کے بارے میں نازل ہوئی جن کے بارے میں سوچنے میں مشغول ہی نہیں تھے یا وہ سوچ کے تابع ہی نہیں تھے، لہٰذا، وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ انکشاف کے تصور کے برعکس یہ وحی ہے جس کا مفہوم "کسی ایسے موضوع کا بے ساختہ اور مطلق علم ہے جس کے بارے میں نہیں سوچا جا رہا ہو اور نہ سوچ کے زمرے میں آتا ہو۔"[34]

مقالہ نگار کے مطابق مالک بن نبیؒ نے اس کے بارے میں درست رائے قائم نہیں کی ہے کیونکہ سیرت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا وقت غار حرا میں عبادت میں گزارتے تھے اور اپنے ارد گرد موجود کائنات کے مناظر اور اس سے آگے کی تخلیقی قوت کے بارے میں سوچتے تھے۔ کیونکہ وہ اس وقت کے لوگوں کے مشرکانہ عقائد سے مطمئن نہیں تھے۔[35]

نیز قرآن کے یہ الفاظ بھی اس رائے کے خلاف ہیں:

" قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ‌ۚ-فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰٮهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَـرَامِ‌ؕ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ‌ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَـقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ"[36]

(ہم تمہارے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں، ضرور ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس میں تمہاری خوشی ہے۔ تو ابھی اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرلو اور بیشک وہ لوگ جنہیں کتاب عطا کی گئی ہے وہ ضرور جانتے کہ یہ تبدیلی ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں)

مالک بن نبیؒ نے مستشرقین کے تصور کی ایک اور تردید کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ "مکاشفہ یا انکشاف بصری، نفسیاتی یا سمعی یا اعصابی کیفیت کے ساتھ نہیں ہوتا جیسے پٹھوں کا سکڑنا وغیرہ جیسا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں دیکھتے ہیں"[37] ابن نبی کہتے ہیں کہ وحی کے نزول کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پٹھے نہیں سکڑتے تھے۔ کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ وحی کے وقت آپ کے پٹھے سکڑ جاتے تھے اور نہ پوری زندگی میں اس تکلیف میں کبھی آپ مبتلا ہوئے، جس سے مرگی کی بیماری کا پتہ چلتا ہے، آپ پر وحی نازل ہو رہی ہوتی تھی اور آپ کے اعصاب میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔ بلکہ آپ کو پسینہ آتا تھا اور شہد کی مکھی کی طرح کی آیک آواز سنائی دیتی اور جیسے ہی وحی ختم ہوتی آپ وہ سب کچھ یاد کرتے جو سن چکے ہوتے۔

اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو قرآن کے نزول کے واقعات کی وضاحت کرتی ہیں، جیسا کہ دو صورتیں ذکر ہیں:

- پہلی صورت یہ ہے کہ یہ وحی ان کے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی جس کی زوردار آواز سے وہ مکمل طور پر بیدار ہو جاتے اور روح کو اس کے اثرات کو قبول کرنے کے لیے اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ متنبہ کرتی ہے۔ جب اس صورت میں آپ صی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو وہ جسم کی تمام تر طاقت کے ساتھ اسے وصول کرتے اور اسے یاد کر کے سمجھ لیتے تھے۔

[33]۔ مالک بن نبی، الظاهرة الرآنية، ص: 168۔

[34]۔ ایضا، ص: 168۔

[35]۔ مبارک پوری، صفی الرحمن، الرحيق المختوم (دمشق، مكتبة الايمان،ط:1، 1993ء)، ص:60۔

[36]۔ القرآن، 2: 144۔

[37]۔ الظاهرة القرآنية، ص: 168۔

- دوسری صورت: یہ کہ فرشتہ آپ کے سامنے ایک آدمی کی طرح ظاہر ہوتا ہے اور انسان کی شکل میں آپ کے پاس آتا۔ یہ صورت گزشتہ کی نسبت ہلکی ہوتی، جہاں فرشتے اور پیغمبر کے درمیان تناسب ہوتا۔ رسول اللہ اسے اللہ کے پیامبر فرشتے سے سن کر انس حاصل کرتا اور ایسی کیفیت پیدا ہوتی جیسے ایک شخص کی اپنے بھائی کے ساتھ بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ بات چیت کر لیتا ہے۔[38]

یہ دونوں صورتیں اس حدیث میں مذکور ہیں جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے؛ کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بعض اوقات میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ میرے لیے سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، جب وہ مجھ سے الگ ہو جاتا ہے تو میں اس کی بات سمجھ چکا ہوتا ہوں۔ اور کبھی کبھی فرشتہ مجھے دکھائی دیتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے، چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔" حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سخت سردی کے دن آپ پر وحی نازل ہوتی اور جیسے ہی وحی کٹ جاتی تھی تو ہم آپ کے جبین مبارک کو دیکھتے جیسے پسینہ ٹپک رہا ہوتا۔[39]

الہام یا انکشاف کا قول کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کے دور کی اصطلاح ہے۔ لوگوں نے رسول اللہ کے بارے میں کہا کہ یہ وہ گہرے اور وسیع خیالات میں گم شخص تھے اور اس پر مستزاد ان کا وجدان حواس پر اتنا غالب آجاتا کہ انھیں لگتا کہ وہ کسی کو بولتے ہوئے دیکھتا اور سنتا ہے۔"[40]

عقلی نقطہ نظر سے انکشاف کے تصور پر بحث کرتے ہوئے، انھوں نے اس کے نتائج پر بات کی ہے کہ مکاشفہ میں "آدمی کو مکمل یقین حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس چیز کا احتمال یا امکان کی طرف لے جاتا ہے۔ جب کہ رسول اللہ تو کامل یقین کے ساتھ بات کرتے، انھیں مکمل یقین تھا کہ نازل شدہ علم ذاتی نہیں ہے، اچانک ان کے پاس آئی ہے اور ان کے دسترس سے باہر ہے۔[41] اور اس کے ثبوت کے طور پر وہ یہ پوچھتے ہیں کہ: "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکشاف کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی حالت اور واقعہ بیان کر سکتے ہیں؟ اس ماں کی حالت جب اس نے اپنے بیٹے کو سمندر میں پھینک دیا تھا؟ اور کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انکشاف کے ذریعے ممکن تھا کہ وہ وحی اور حدیث میں فرق کریں؟ یعنی ایک قرآنی آیت ہے جسے وہ فوری طور پر قلمبند کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ایک جو اپنے صحابہ کو سناتے ہیں اور ان کی یادداشت کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن اپنے حروف واصوات کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہے جبکہ احادیث بھی انہی کے اقوال پر مشتمل ہیں اور انہی کے زبان مبارک سے جاری ہوئے ہیں۔ ایسے میں دونوں میں فرق کرنا ممکن ہی نہیں ہے جب تک صاحب کتاب کو اس فرق کا مکمل علم نہ ہو۔[42] چنانچہ وہ ثابت کرتے ہیں کہ کشف یا الہام یقین پیدا نہیں کرتا۔

مالک بن نبیؒ وحی کے مظاہر کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے فرد کی نفسیاتی حالتوں سے باہر کا مظہر سمجھتے ہیں، اس کے ذاتی کے ذریعے اس نفس کے تجزیے کے ذریعے۔ اعتقاد اور ذاتی یقین کے مسئلے کو دو پیمانوں کے اندر متعارف کراتا ہے، جو ظاہری پیمانہ ہیں اور اس کا مقصد اس واقعہ کے وقوع کو ذاتی طور پر پیش آنے والے واقعات سے ثابت کرنا ہے، جو صحیح تاریخی روایات اور ذہنی پیمانے سے ثابت ہیں: اس کا مقصد اس واقعہ پر بحث کرنا، اس کی تعریف کرنا اور ذہنی نقطہ نظر سے اس کا تجزیہ کرنا، خود اعتمادی اور ذاتی یقین تک پہنچنے کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے۔

---

[38] ۔ القطان، مناع، مباحث فی علوم القرآن (بیروت: مؤسسة الرسالة، 1998ء)، ص: 34۔

[39] ۔ البخاری، صحیح البخاری، کتاب الوحی، باب کیف بدأ الوحی، حدیث: 2۔

[40] ۔ دراز، محمد عبد الله ، النبأ العظيم (بيروت: دار القلم، ط: 2، 1970ء) ، ص:67۔

[41] ۔ الظاهرة القرآنية، ص: 168۔

[42] ۔ مصدر سابق، ص: 169۔

دعوت دینے سے پہلے۔ اس مذہب کو جدید مستشرقین پر مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے "ایک ضروری نفسیاتی حقیقت کو مد نظر نہیں رکھا، جو یہ ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی یقین"۔[43] وہ اس واقعہ کو اس لحاظ سے وحی یا الہام سمجھتے ہیں کہ یہ ایک موضوعی واقعہ ہے، اور یہ ایک قول ہے جس پر ان کا اتفاق ہے، تاہم وہ اس واقعہ کے ساتھ اس سے وابستہ خود گواہی کو مکمل طور پر منسلک نہیں کرتے، اور پھر وہ کوشش کرتے ہیں۔ خود گواہی کو دو قدروں کے ذریعے ثابت کرنا ہے: اخلاقی قدر جو ظاہری معیار کی وجہ سے ہے، اور ذہنی قدر جو کہ ذہنی کسوٹی کی وجہ سے ہے، اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق واقعہ کا مطالعہ کرتا ہے اور ایک ایسا معیار مقرر کرتا ہے جس کی تائید نفس کے ظہور سے متعلق تمام عناصر سے ہو، وہ ذات جو مقدمہ بھی ہے، اس کا گواہ اور اس کا جج بھی۔[44]

وحی کے بارے میں اپنے تجزیے میں آگے بڑھ کر یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ فرد کی نفسیاتی حالتوں سے باہر ہے، اس نفس کے اپنے تجزیے کے ذریعے۔ اپنے ذاتی اعتقاد اور ذاتی یقین کی بنیاد پر جس کے دو پیمانے ہیں: ایک ظاہری پیمانہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی تصدیق ذاتی طور پر پیش آنے والے واقعات کے ذریعے کی جائے، جو صحیح تاریخی روایات سے ثابت ہوں۔ دوسرا عقلی معیار اور پیمانہ ہے۔[45] اس کا مقصد عقلی نقطہ نظر سے اس واقعہ پر بحث کرنا، اس کی مختلف پہلوؤں کو بیان کرنا اور اس کا تجزیہ کرنا، تاکہ دوسروں کے اس دین میں داخل ہونے سے پہلے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اعتمادی اور ذاتی یقین کا سبب بنے۔ جدید مستشرقین پر دیگر اعتراضات کے ساتھ ایک یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اس حقیقت کو مد نظر نہیں رکھا۔[46] کا الزام لگایا جاتا ہے، جو یہ ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی یقین–

مستشرقین پر تنقید کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کو کشف یا الہام سمجھتے ہیں یعنی وہ اس واقعے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور شخصی حادثہ سمجھتے ہیں اور اس پر تمام مستشرقین کا اتفاق ہے۔ تاہم، وہ اس واقعہ کے ساتھ آپ صلی اللہ کی ذات کی گواہی کو نہیں قبول کرتے۔ اس ضمن میں انھوں نے فرانسیسی مستشرق ایمل درمنگھم Émile Dermenghem پر بھی تنقید کی ہے جس نے اسے الہام قرار دیا۔ مالک بن نبیؒ کے مطابق جب وہ قرآن کریم کی تاریخی صحت سے انکار نہیں کرتا لہذا اسے ماننا پڑے گا کیونکہ خود قرآن نے فرمایا ہے:

وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ[47]

اور (اے پیغمبر!) تمہیں پہلے سے یہ اُمید نہیں تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، لیکنیہ تمہارے رَبّ کی طرف سے رحمت ہے، لہٰذا کافروں کے ہر گز مدد گار نہ بننا۔

اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم صادق اور امین ذات کے بارے میں یہ مان لیں کہ آپ نے غار حرا میں عزلت اس لئے اختیار کی تھی کہ ان کے دل میں ایک خاموش خواہش تھی کہ کوئی مابعد الطبیعیاتی مسئلہ پیدا ہو۔ مالک بن نبیؒ کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ جدید تنقید بالخصوص پروفیسر درمنگھم اس پہلو کو جستجو اور اضطراب کا ایک مرحلہ سمجھتے ہیں، یعنی حالات ساز گار بنانے کا ایک قسم کا ارادہ تھا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں یہ سوچ تخلیق پائے۔ اس کے برعکس اس زمانے کی دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ غیب کے مسئلہ اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ دوسرا یہ غور فکر کرنا انھیں وراثت میں ملا تھا، کیونکہ ایک خدا پر ایمان ان کے پاس اپنے جد امجد حضرت اسماعیل سے ہوتے ہوئے آیا ہے۔ ان کے

---

[43]۔ مصدر سابق، ص: 175۔

[44]۔ مصدر سابق، ص: 119۔

[45] Anwar, F., Rasool, H. F., & Haq, M. A. U. (2024). توہین انبیاء کی عالمی مہم محرکات، اسباب، اور سدباب: ایک تحقیقی جائزہ: Global Campaign about Prophetic Blasphemy: Motivations, Causes, and Solutions-A Research Overview. *International Research Journal of Arabic and Islamic Studies*, *4*(2), 47-67.

[46]۔ مصدر سابق، ص: 119۔

[47]۔ القصص، 28: 86۔

مطابق اپنی تنہائی کے ذریعے وہکسی خاص دعوت کی تلاش نہیں تھے، بلکہ ان کے پیش نظر سرے سے مذہبی مسئلہ ہی نہیں تھا، وہ تو اخلاقیات کی تلاش میں تھے جو اس معاشرے میں ناپید ہو گئے تھے۔[48]

الغرض مالک بن نبیؒ نے وحی کے بارے میں مستشرقین کے اختیار کردہ مختلف نظریات پیش کر کے اس کا محاسبہ کیا ہے۔ ان کے مطابق مستشرقین نے اس مسئلے کو مختلف زاویوں سے دیکھا، ان میں سے بعض نے وحی کو اسلامی تاریخ اور ثقافت کا حصہ سمجھا، جب کہ بعض نے کہا کہ وحی محض ایک انسانی ایجاد ہے اور اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بن نبی نے اسلام اور وحی کے بارے میں مستشرقین کی تفہیم پر ان خیالات کے اثرات کی وضاحت کی ہے، اور یہ کہ ان میں سے کچھ نے ان خیالات کو کس طرح اسلام کے بارے میں اپنے منفی نقطہ نظر کو درست ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔

مالک بن نبیؒ نے دو طرح سے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے:

1- مستشرقین کے نظریات کا تنقیدی تجزیہ: مالک بن نبیؒ نے نزول کے مسئلہ پر مستشرقین کے خیالات کا تنقیدی اور سائنسی انداز میں قانونی، فلسفیانہ، تاریخی اور لسانی شواہد کی بنیاد پر تجزیہ اور تنقید کی اور مستشرقین کی طرف سے کی جانے والی ابہام اور تحریف سے تصورات کو آزاد کرایا۔

2- اسلام میں وحی کے تصور کی وضاحت: مالک بن نبیؒ نے اسلام میں وحی کے تصور اور ملت اسلامیہ کی فکری، ثقافتی اور تاریخی تعمیر میں اس کے کردار کو واضح کیا، تاکہ مستشرقین کے ان الزامات کا جواب دیا جا سکے، جو اسلام کی عظمت اور اس کی فکری، ثقافتی اور روحانی طاقت کو اجاگر کرنے کے لیے وحی کے کردار کا انکار کرتے ہیں۔

ان دو طریقوں سے مالک بن نبیؒ نے اسلام میں وحی کے جائز مقام کو بحال کرنے اور اس غلطی اور ابہام کو دور کرنے میں کامیاب ہوئے جو مستشرقین نے اس مسئلہ پر اٹھانے کی کوشش کی۔

مبحث چہارم: مالک بن نبی اور جمہوریت

مالک بن نبیؒ نے جمہوریت پر تنقید کی ہے۔ ان کی جمہوریت پر تنقید اس سوال پر مرکوز ہے کہ کیا اسلام میں جمہوریت ہے؟ وہ اس سوال جواب دینا چاہتے ہیں۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ابن نبی جمہوریت کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: سیاسی جمہوریت اور سماجی جمہوریت۔

سیاسی جمہوریت:

مالک بن نبیؒ نے اسلام اور جمہوریت کے تصورات کے اپنے مطالعہ کے ذریعے اسلامی فکر کے سیاسی محاذ پر جمہوریتکے اسلامی ہونے سے انکار کیا ہے۔ انھوں نے ان بنیادوں کی نشاندہیکی جن پر وہ ان اصطلاحات کیتحدید کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ کہ جمہوریت حالات اور نظریے سے جڑا ہے۔ وہ اس کی وضاحت یہ کہتے ہوئے کرتے ہیں: "ان دونوں اصطلاحات (اسلام اور جمہوریت) کو آپس میں جوڑنے کا مسئلہ اس موضوع کا بنیادی مسئلہ ہے"[49] اس لیے دونوں کے درمیان باہمیتعلق کے مسئلے پر بات کرنے سے پہلے دونوں کیتعریف اور وضاحت ضروری ہے، چنانچہ

[48]۔ الظاهرة القرآنية، ص: 138۔

[49]۔ مالک بن نبی، تاملات (بیروت: دار الفکر، 1985ء)، ص: 62۔

انھوں نے دونوں الفاظ کا زبان کے اندر شامل ہونے کی تاریخی پس منظر کی طرف بھی اشارہ کیا کہ کب یہ دونوں اصطلاحات زبان میں داخل ہوئیں اور کن معانی میں استعمال ہوئیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہر ایک اصطلاح کسی بھی وقت ایکئے لفظ کے سوا کچھ نہیں ہوتی جس کے اپنے مخصوص حالات ہوتے ہیں اور اس اصطلاح کے واضعین اس کے معنی کی تحدید پر متفق ہوتے ہیں۔[50] لہذا اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ ان کے درمیان کسی قسم کی قرابت یا ہم آہنگی موجود ہے، وہ ان دونوں اصطلاحات کی وضاحت کرنے پر زور دیتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور جمہوریت کیا ہے؟

وہ اپنے مطالعے کا آغاز اس وقت کیتلاش سے کرتے ہیں جب یہ اصطلاحات عربی زبان میں ان مخصوص مفہوم کے ساتھ داخل ہوئیں، یعنی ان کے ظہور کے وقت کو تاریخ کے لحاظ سے، ان کی اپنی زبان اور منتقل ہونے والی زبان میں جاننا ضروری ہے۔ ان کے مطابق لفظ "اسلام" کے بارے میں تو وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا آغاز قرآن کے نزول کے ساتھ ہوا۔ البتہ اُن کے مطابق لفظ "جمہوریت" کے حوالے سے ان کا علم بہت کم ہے کہ یہ لفظعربی ڈکشنری میں ایک درآمد شدہ اصطلاح کے طور پر کب داخل ہوا؟ بلکہ وہ اس کی اصل زبان میں بھی اس کی تاریخ نہیں جانتے۔ i51

پھر جمہوریت کے بیانیے کو زبانی اخذ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "فرانسیسی زبان میں کوئی بھی ماخوذ لغت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ لفظ دو یونانی الفاظ "Deimos" اور "Krats" کا مرکب ہے، جس کا مطلب ہے۔ عوام کی طاقت، یا عوام کی طاقت، یعنی مختصر تجزیاتی اظہار میں، اس کا مطلب انسان کی طاقت ہے۔

الغرض مالک بن نبیؒ نے "القابلیۃللاستعمار" کا نظریہ پیش کیا، ان کے بقول: 'قابل استعمار' ہونا کسی قوم کے ہاں پائی جانے والی ایک حالت کا نام ہے، غیر قوم نے آکر اِس کو محض 'دریافت' کیا تھا نہ کہ اِس کو 'پیدا' کیا تھا۔ اسی طرح 'نا قابلِ استعمار' ہونا بھی کسی قوم کے ہاں پائی گئی ایک "حالت" ہی کا نام ہے جس کو جب تک پیدا نہ کیا جائے وہ معرض وجود میں نہیں آتی۔ بہ الفاظ دیگر جب تک آپ خود استعمار کو دعوت نہیں دیتے وہ خود آپ کے پاس نہیں آتا۔ لہٰذا استعماری قوتوں کے قبضے کو امت مسلمہ کے زوال کا سبب مان کر ہم بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔

خلاصہ

مالک بن نبی اسلامی تہذیب کے عظیم مفکرین میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ 1 ایک نمایاں مفکر تھے جنہوں نے استعماریت سے پیدا ہونے والے فکری اور ثقافتی چیلنجز کو موضوع بحث بنایا۔ ان کا کہنا تھا کہ استعماریت محض ایک بیرونی طاقت نہیں بلکہ مقبوضہ معاشروں کی اندرونی کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ بن نبی نے "قابل استعماریت" کا تصور پیش کیا، جو اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ ایک معاشرہ اپنی فکری جمود اور ثقافتی زوال کی وجہ سے غلبے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

ان کے مطابق، مسلم دنیا کا زوال اسلامی اقدار کو نظر انداز کرنے اور بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ بن نبی کا ماننا تھا کہ محض روایات سے چمٹے رہنا یا مغرب کی اندھی تقلید کرنا مسلمانوں کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ اس کے برعکس، انہوں نے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر فکری احیا اور ثقافتی تجدید کی ضرورت پر زور دیا۔

---

[50]۔ ایضا، ص: 62۔

[51]۔ ایضاً، ص: 62۔

انہوں نے خود آگاہی، اخلاقی دیانت داری، اور اجتماعی شعور کی ترقی کو استعماری اثرات کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار کے طور پر اہمیت دی۔ بن نبی نے تعلیم، جدت طرازی، اور سماجی اصلاحات کو استعماریت کے اثرات سے چھٹکارا پانے کے لیے ضروری اوزار قرار دیا۔

مزید برآں، انہوں نے اس غیر فعال ذہنیت پر تنقید کی جو سماجی زوال کا مکمل الزام بیرونی قوتوں پر عائد کرتی ہے، اور مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنی ترقی کی ذمہ داری خود قبول کریں۔ ان کے خیالات فکری آزادی، سماجی ہم آہنگی، اور سیاسی خود مختاری کے فروغ کے لیے ایک فریم ورک فراہم کرتے ہیں۔

مالک بن نبی کے افکار آج بھی متعلقہ ہیں، جو جدید چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے ثقافتی شناخت اور وقار کو محفوظ رکھنے کے لیے قیمتی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ان کا کام ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کے لیے خاکہ پیش کرتا ہے جو بیرونی غلبے کا مقابلہ کرنے اور پائیدار ترقی حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

نتائج

1. قابلیتِ استعمار کا نظریہ : مالک بن نبی نے "قابلیتِ استعمار" کے تصور کے ذریعے واضح کیا کہ استعماریت صرف بیرونی جارحیت کا نتیجہ نہیں بلکہ معاشرے کی اندرونی کمزوریاں، جیسے فکری جمود، ثقافتی زوال، اور سماجی و سیاسی انتشار، اس کا بنیادی سبب ہیں۔
2. اسلامی اقدار کی ضرورت : بن نبی کے مطابق مسلم معاشرے کا زوال اسلامی اقدار سے دوری اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق خود کو ڈھالنے میں ناکامی کی وجہ سے ہوا۔
3. مغربی تقلید کی مذمت: مالک بن نبی نے مغرب کی اندھی تقلید کو مسترد کرتے ہوئے مستند اسلامی اصولوں کی بنیاد پر فکری آزادی اور جدت طرازی کی اہمیت پر زور دیا۔
4. ثقافتی تجدید اور اجتماعی شعور : مالک بن نبی کے مطابق مسلم معاشرے کو اپنی ثقافتی شناخت بحال کرنے کے لیے اجتماعی شعور، اخلاقی دیانت داری، اور خود آگاہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔
5. تعلیم اور سماجی اصلاحات : مالک بن نبی نے تعلیم، جدت، اور سماجی اصلاحات کو مسلم معاشروں کے لیے ترقی اور بیرونی غلبے کے خلاف تحفظ کا ذریعہ قرار دیا۔
6. خود انحصاری کی ضرورت : مالک بن نبی نے مسلمانوں کو اپنی ناکامیوں کا مکمل الزام بیرونی قوتوں پر ڈالنے کے بجائے اپنی ترقی کی ذمہ داری خود لینے کی ترغیب دی۔

سفارشات:

1. تعلیمی اصلاحات : مسلم دنیا میں ایسا تعلیمی نظام متعارف کروایا جائے جو اسلامی اقدار، فکری آزادی، اور جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے درمیان توازن پیدا کرے۔
2. ثقافتی بیداری : مسلم معاشروں میں ثقافتی تجدید کے لیے ایسی پالیسیز بنائی جائیں جو ان کی اپنی روایات اور اقدار کو مضبوط کریں اور مغرب کی اندھی تقلید سے بچائیں۔
3. اجتماعی شعور کی تربیت : نوجوان نسل میں اجتماعی شعور اور سماجی ذمہ داری کے جذبات کو پروان چڑھانے کے لیے تربیتی پروگرامز متعارف کروائے جائیں۔

4. اخلاقی قیادت کا فروغ : مسلم معاشروں کو ایسی قیادت فراہم کی جائے جو اخلاقی دیانت داری، خود آگاہی، اور سماجی اصلاحات پر یقین رکھتی ہو۔

5. فکری آزادی کی حمایت : مسلم مفکرین اور دانشوروں کو ایسی فکری آزادی دی جائے جو انہیں اپنی تہذیب کی بنیاد پر جدید دنیا کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے قابل بنائے۔

6. سماجی انصاف اور خود انحصاری : مسلم دنیا میں سماجی انصاف کو یقینی بنایا جائے اور معاشی پالیسیاں بنائی جائیں جو خود انحصاری کو فروغ دیں۔

7. نو آبادیاتی ذہنیت سے نجات : مسلم معاشروں میں نفسیاتی غلامی اور نو آبادیاتی اثرات سے آزاد ہونے کے لیے عوامی شعور بیدار کیا جائے۔

8. اسلامی اصولوں کی بنیاد پر جدت : اسلامی اصولوں کے مطابق معاشرتی، اقتصادی، اور سائنسی میدان میں جدت طرازی کی حوصلہ افزائی کی جائے۔